انتخابِ ذوق

سید مرتضیٰ حسین فاضل

کتاب منزل، ایجوکیشنل پبلشرز، کشمیری بازار، لاہور

ذوق

علمی پرنٹنگ پریس لاہور میں باہتمام شیخ نیاز احمد پرنٹر چھپوا کر کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا:۔

ڈیجیٹل اشاعت : کتابخانہ مرتضوی۔ کراچی، پاکستان
(http://ml.com.pk)

○ تعارف
○ تنقید
○ انتخاب
○ کتابیات

از

مرتضے حسین فاضل

کتاب منزل لاہور

تعارف

دہلی کے آخری عہد اور غزل کے دورِ شباب میں جن شاعروں نے نام اور شہرت عام کے ہاتھوں بقائے دوام پائی ان میں ذوق ایک ایک بڑی شخصیت کے مالک ہیں۔

ولادت | شیخ محمد ابراہیم ذوق دوشنبہ گیارہ ذی الحجہ سنہ ۱۲۰۴ھ مطابق ۲۲۔ اگست سنہ ۱۷۹۰ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔

ان کے والد شیخ محمد رمضان سپاہی پیشہ و شریف و باایمان آدمی، نواب لطیف اللہ خاں کے یہاں حرم سرا کے داروغہ (یا اسی قسم کے معمولی ملازم) تھے۔

ان کا رہائشی مکان بہت مختصر تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ابتدائی زندگی بہت خوشحال نہ تھی لیکن چونکہ باپ دیندار آدمی تھے اور یہ بھی اکلوتے بیٹے ہوتے ہوئے دلی کے عام بچوں کی طرح تیز اور آوارہ قسم کے نہ تھے اس لیے چھے سال کی عمر میں پڑھنا شروع کر دیا۔ مسجد کی تعلیم اور حافظ غلام رسول شوق کی اُستادی سے متاثر ہو کر عربی و فارسی کی کافی استعداد بہم پہنچا کر شاعری شروع کر دی۔ جس کا سبب یہ تھا کہ حافظ صاحب شاعر تھے اور ساتھیوں میں ایک رئیس زادے میر کاظم حسین بے قرار تخلص کرتے اور شعر کہا کرتے ماحول میں شاعروں کی قدرتی طبیعت داری نے سونے پر سہاگے کا کام کیا اور ابجدی شعر جو کہ وہ حمد و نعت میں تھے، کمسنی اور ایسی عمر

تھی کہ رنگین روشنائیوں سے ان کو جگہ جگہ لکھتے اور خوش ہوتے تھے۔
بے قرار کے شعر اور اُستاد کے کلام کو سُن سُن کر کچھ کہنا شروع کیا۔
ایک دن ساتھی نے غزل سنائی جو انھیں بہت پسند آئی پوچھا "بھائی
اتنے اچھے شعر کیسے کہہ لیے ؟" انھوں نے بتایا کہ :
اُستاد نصیر (م ۱۲۵۴ھ) سے اصلاح لی ہے
یہ سُن کر انھوں نے بھی کمر باندھی اور شاہ صاحب کے پاس پہنچ کر
باقاعدہ شاگرد ہوئے اور مشاعروں میں جانے لگے۔ بعض امیروں نے
ہمّت افزائی کی شہرت نے جو ساتھ دیا تو استاد سے چشمک ہو گئی۔ کہ آپ
اپنے لڑکے کو ترجیح دیتے اور سب کو ناکارہ سمجھتے ہیں مگر استاد سے
الگ ہو کر بھی مشق سخن اور شرکت مشاعرہ میں کمی نہ ہوئی۔
ایک مرتبہ غزل لیے مشاعرے میں جانے کی نیت سے نکلے، مگر
ڈر رہے تھے کہ کیا ہوگا۔ راستے میں جامع مسجد آئی "آثار شریف" میں
فاتحہ پڑھی۔ حوض پر آئے۔ وہاں میر کلو حقیر بیٹھے تھے۔ ذوق کو دیکھ کر
حال پوچھا، پریشانی کی وجہ دریافت کی، غزل سُنی اور اطمینان دلا کر رخصت
کیا۔ مشاعرے میں غزل کامیاب ہوئی تو ہمّت بڑھی اور آزادانہ کہنے
پڑھنے لگے۔
اکبر شاہ کے ولی عہد مرزا ابوظفر شاعر بھی تھے اور شعرا کے قدر دان
بھی دربار میں حکیم ثناء اللہ خاں فراق، میر غالب علی خاں سیّد،
عبدالرحمٰن خاں احسان، برہان الدین زار، حکیم عزت اللہ خاں عشق،
میاں شکیبا، مرزا عظیم بیگ عظیم، میر نظام الدین ممنون کے جمگھٹے رہتے تھے۔
اتفاقاً شیخ صاحب کے دوست بے قرار، ولی عہد کے ملازم خاص ہو گئے۔

ذوق انھیں کے ذریعے دربار پہنچے۔

شاہ نصیر ولی عہد کے اُستاد تھے، ان کو بھی شرف تلمذ سے سرفراز کر رکھا تھا۔ مشاعروں میں رنگ جما اور ولی عہد کو پسند آ گئے۔ اتفاق در اتفاق یہ ہُوا کہ شاہ نصیر کے دکن جانے پر بے قرار مشیرِ سخن ہوئے اور جب وہ جان الفنسٹن کے ساتھ میر منشی ہوکر دربار سے رخصت ہوئے تو یہ عہدہ اچانک انھیں مل گیا۔

ہُوا یہ کہ ایک روز قلعے جو گئے تو ولی عہد بہادر تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے، ان کو دیکھا کہنے لگے:

میاں ابراہیم! اُستاد تو دکن چلے گئے اور بے قرار باہر ہیں، تم نے بھی ہمیں چھوڑ دیا۔ ذرا اس غزل کو بڑھو، اُنھوں نے فوراً غزل کانٹ چھانٹ کر پڑھنا شروع کی، نواب الٰہی بخش خاں معروف کی صحبت اور مشاعروں کی آمدورفت نے مانجھ رکھا تھا۔ ولی عہد کو غزل پسند آ گئی۔ لیجیے پھر کیا تھا، اُستادی کا اعزاز اور چار روپے مہینے تبرک میں ملے۔

طبیعت میں بلا کی تیزی آ گئی، حافظہ خداداد تھا، مشق و مطالعے نے اور چمکار رکھا تھا کہ اُستاد نصیر دکن سے آئے اور مشاعرہ کیا۔ یہ بھی غزل لے کر پہنچے، وہاں نصیر نے ایک غزل پڑھی اور کہا کہ اس طرح میں کوئی کہہ کے سُنائے تو میں اُستاد مانوں۔ دوسرے مشاعرے میں "ذوق" نے "آتش و آب و خاک" پر غزل پڑھی، جس پر چھیڑ چھاڑ ہوئی۔ انھوں نے پھر اسی زمین میں قصیدہ پڑھا۔ جس پر بڑی لے دے ہُوئی، مگر نصیر زیادہ پڑھے لکھے تھے نہیں اور اُستاد ذوق کی پشت پر اکابر و فضلاء دہلی تھے نتیجہ یہ ہُوا کہ ان کا لوہا مان لیا گیا۔

اسی سلسلے میں شوق علوم بڑھا، مولوی عبدالرزاق صاحب اور ان جیسے دوسرے اکابر مثلاً حکیم مرزا محمد صاحب (شہید رابع) حکیم میر فیض علی صاحب وغیرہ سے فلسفہ و طب و عروض میں مہارت حاصل کی اور موسیقی سے بھی تعلق پیدا کیا۔

ایک مرتبہ اکبر شاہ کی مدح میں ایک قصیدہ کہا:

جب کہ سرطان و اسد مہر کا ٹھہرا مسکن
آب و ایلولہ ہوئے نشو و نمائے گلشن

انیس برس کا سن اور ایسا زبردست قصیدہ، بادشاہ نے خوش ہو کر "خاقانی ہند" کا لقب دیا۔

جب ولی عہد بہادر شاہ کے لقب سے بادشاہ ہوئے تو اُن کا رتبہ بڑھ گیا اور وظیفہ چار، پانچ، سات اور تیس روپے سے بڑھ کر سو تک جا پہنچا خاقانی ہند خان بہادری، جاگیر، ہاتھی اور خلعت ملتے رہے۔

اتنے اعزاز کے بعد بھی وہ توبہ کے بعد تیس برس کے سن سے آخر عمر تک دینداری، خدا ترسی اور وضعداری کے پابند تھے۔ نرم دلی اور خوش اخلاقی، کتب بینی، شعر خوانی وتیرہ تھی۔

چھیاسٹھ سال کی عمر میں بیمار ہوئے، کمزور تو تھے ہی (بچپنے میں کئی مرتبہ چیچک نکل چکی تھی، جس کے نشان آخر تک رہے) سرطان کے نکلنے نے معذور کر دیا تھا، پائنتی چوکی لگی رہتی تھی۔ کوئی اُٹھاتا تو ضروریات سے فراغت کرتے تھے۔

آخر جمعرات کے دن ۲۴ - صفر ۱۲۷۱ھ ۱۶ - نومبر ۱۸۵۴ء دلی میں

انتقال کیا۔

غالب نے تاریخ کہی: (سبد چین)

تاریخ وفات ذوق غالب　　باخاطر دردمند و مایوس
خوں شد دل زار تا نوشتم　　خاقانیِ ہند مرد افسوس

کریم الدین اور معاصرین کے بقول ان کا کلام شمار و انداز سے
سے کہیں زیادہ تھا، مگر نہ خود جمع کیا، نہ کسی دوسرے کو دیا۔
ان کے اکلوتے بیٹے محمد اسمعیل نے کوشش کی تھی تو وہ ۱۸۵۷ء
میں نذر اجل ہوگئے، سید ظہیر الدین ظہیر نے "نگارستان سخن" مطبوعہ
۱۸۶۲ء اور شجاع الدین انور، حافظ ایران اور مولانا آزاد نے اپنی
کوششوں سے دیوان شائع کیے اور انہی کی بدولت ذوق کا نام و
کام زندہ ہے۔

تنقید

ذوق اپنے تاریخی و سوانحی پس منظر میں کوئی بڑی شخصیت نہیں ہیں، البتہ فنی آئینے میں وہ اپنے معاصرین میں اتنے ممتاز ہیں کہ اس عہد کی کوئی شاعرانہ شخصیت اپنے ماحول پر اس قدر چھائی ہوئی نظر نہیں آتی۔

ان کو دیکھنے والے تذکرہ نگاروں میں شیفتہ، صہبائی، آزردہ، صابر، نساخ، آزاد سب نے انھیں سراہا ہے۔ یہ تذکرے یا اُن کے آرا عام طور پر مختلف اشخاص نے نقل کیے ہیں، ہم ایک نادر و کمیاب معاصر اُردو تذکرے "گلدستۂ نازنیناں" تالیف کریم الدین سے اس عبارت کو نقل کرتے ہیں جسے اب تک کہیں نہیں دیکھا ہے:

کریم الدین اپنے تذکرے مطبوعہ ۱۸۴۵ء کے ص ۱۱۸ - ۱۱۹ پر لکھتے ہیں:

" یہ شاعر فی زمانناجو ۱۲۶۱ہجری ہیں۔ بڑے رتبے کا جلیل الشان شاعر ہے۔ اور آمد مضامین برجستہ کی اس قدر اس کو حاصل ہے کہ کسی شاعر کو آج تک نہیں ہوئی۔ حقا کہ شاعر اردو گویوں میں اس مرتبے کا ہے کہ جتنا اس کی تعریف میں کہے یا لکھے سو کم ہے۔ گویا شعر مجسم ہوگیا ہے۔ اکثر اشعار اس شاعر بے نظیر کے دیکھنے میں آئے، مگر کوئی شعر ایسا نہ دیکھا کہ اس کا مضمون تازہ اور دلچسپ نہ ہو۔ جیسا کہ اور شعرا کی غزلوں میں ایسا ہوتا ہے کہ دو چار خوب ہیں تو ایک دو

بہ نسبت ان کے اچھے نہیں ہیں اور طرفہ تریہ کہ جو غزل اس کی دیکھنے
میں آئی کسی کے ساتھ شعر کسی نے اٹھائیں۔ اس طرح کا شاعر ہونا
بسا مشکل ہے:۔

ہم بہت شکر کرتے ہیں خدا کا کہ ہمارے زمانے میں بھی یکتائے فن
ہر ایک فن کے موجود ہیں۔

اب اس زمانے میں، حصوصاً دہلی میں کوئی ان کے مقابلے کا
نہیں اور اکثر مشاعروں میں اس کی آتش زبانی کے آگے اور شعرا مثل
خس و خاشاگ کے جلتے ہیں اور اس کے الفاظ برجستہ کے رشک
سے جبکہ وہ محفل مشاعرہ میں غزل پڑھتا ہے، شرمندہ ہو کر بیتابانہ
کفِ افسوس ملتے ہیں۔

تیس برس[1] کے عرصے سے ملازم درگاہ، حالت ولی عہدی سے
شہنشاہ حال کے ہیں

اور ابتدائے عمر سے مصروف ہیں، مگر حالت صبا سے آج تک
یہ عادت طبیعت (؟) متمکن ہوگئی ہے کہ جو کہتے ہیں کسی کو نہیں دیتے"

آج ذوق کو دُنیا سے گئے سو برس سے زیادہ ہو چکے ہیں. مگر ان
کا فن اور ان کی ذہنی شخصیت پوری عظمت کے ساتھ زندہ ہے، حالانکہ
ان کا پورا کلام موجود نہیں۔ لیکن ان کے قصائد ایک طرف اور بچا کھچا
دیوان غزلیات دوسری طرف لوگوں کی عقیدت کا مرکز ہے۔

---

[1] ۱۲۶۱ھ کے حساب سے ذوق کی ملازمت دربار ۱۲۳۱ھ قرار پاتی ہے جبکہ
ھو کی عمر ۲۰ برس کی ہوگی۔ فاضل

فن کار کو دیکھنے والی نگاہیں ہر دور میں مختلف زاویوں سے دیکھتی ہیں،
اب سے ایک صدی پہلے شاعر کو لفظی و معنوی صنعت گر سمجھا جاتا تھا، تقاضا
تھا اسے "زود گو"۔ "بدیہہ آفریں" اور بسیار نویس و مشاعرہ الٹ
ہونا چاہیے، ردیف قافیہ، بحر اور عروض کے ایسے راستوں سے گزر کے
کہ دوسرے وہاں جاکر لڑکھڑا جائیں۔

اکثریت کے ان تقاضوں اور ان کے رجحانات کو جن لوگوں نے
منظور کیا اور ان فرائض سے جو محنتی عہدہ برآ ہوئے وہ دو طرح کے لوگ
تھے، ایک وہ جو ان قدروں کے پرستار تھے، یہ دور کے ختم ہوتے ہی
ختم ہوگئے۔ دوسرے وہ لوگ تھے جنھوں نے ان تقاضوں کو بھی پورا
کیا اور اپنی جدت آفرینی، اپج اور فطری صلاحیتوں کو بھی نمایاں کیا،
بندھے اور معین راستوں میں اپنے امتیازی زاویے بھی بنائے یہ افراد،
فن کار اور شخصیات بن کر زندہ ہیں۔

ذوقؔ اور ان کے سابقین و معاصرین کے قصائد ہمارے پاس ہیں،
میر، انشا، مصحفی، ناسخ، غالب، مومن، ادبی شخصیتوں کے قصیدے ہم نے
پڑھے ہیں، ان میں اصول قصیدہ نگاری کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے۔
لیکن وہ اپج اور بلندی، اقتدار اور قوتِ استعمال جو ذوق کے قصیدوں
میں ملتی ہے ان معیاری شخصیتوں کے یہاں نہیں ہے۔ اگرچہ وہ اصول
اب قابل توجہ نہیں رہے، ان پابندیوں پر ہم زور نہیں دے سکتے
مگر نقاد تو بہر حال ان کو ملحوظ رکھتا ہے اور مطالعہ کرنے والا بھی ضرور
متاثر ہوتا ہے، کیا تاج محل اپنے عصری خطوط عمارت پر نہیں بنایا گیا؟
کیا اب وہ خطوط معراجی درجہ رکھتے ہیں؟ یا نہیں! مگر بات یہ ہے

کہ جب اس عہد کے عام مقبروں کے نقشے دیکھے جاتے اور نمونے نظر سے گزرتے ہیں تو "تاج محل" کی دلکش بناوٹ خود بخود نگاہ کو روک لیتی ہے کہ یہ معجزہ نمائی منطقی حد بندیوں سے ماورا ہے کیونکہ:

خوبی ہمیں کرشمۂ ناز و نیاز نیست
بسیار شیوہ ہاست بتاں راکہ نام نیست

دلی کے آخری دور میں ذوق، غالب، مومن فن کاروں میں اسی لیے ممتاز اور شاعروں میں قرار پائے کہ ان کا فن دوڑنے والوں کے ساتھ ساتھ یعنے ادبی ترقیوں میں رفیق سفر ہے۔

ذوق پر سب سے زیادہ مولانا آزاد نے لکھا اس کے بعد غلام امیرؔ امیر بدایونی، جوش ملسیانی وغیرہ نے جو کچھ لکھا وہ بھی بہت ہے لیکن اعتدال اور بصیرت آفرینی کا جو رنگ آزاد کے یہاں ہے وہ انھی کے ساتھ مخصوص ہے یہ ٹھیک ہے کہ انھیں ذوق سے عقیدت تھی۔ اس لیے آب حیات کے صفحے کے صفحے رنگ ڈالے، مگر یہ نہ بھولنا چاہیے کہ آزاد نے ان کے کلام پر جو رائے لکھی ہے، آج بھی اس میں اس میں ترمیم و تنسیخ کی گنجائش نہیں ملتی، کاش وہ تحلیلی تنقید نگار ہوتے کہ اپنے نظریات کو واضح مثالوں سے سمجھا دیتے کہ پھر جائے دم زدن باقی نہ رہتی۔ آزاد کی ساری تنقیدی و تقریظی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ:

کلام ذوق، قادر الکلامی، سلاست زبان، حسن ادا، ترکیبوں کی چستی اور عام فہمی کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ قادر الکلامی کا یہ مقصد ہے کہ زبان و خیال میں ہم آہنگی کے ساتھ طرح طرح کے اسٹائل؛ درجدا جدا

اصولِ در وبست یعنے پوری تکنیک پر قابو حاصل تھا۔ کہ گیت، ٹھمریاں، قصیدے اور غزل جیسے اصناف پر یکساں عبور ہے۔ آپ غزل پڑھیں تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ شاعر خاقانی قسم کا لفظ بند شاعر ہے۔ اور قصیدہ پڑھیں تو یہ کہنا مشکل ہوگا کہ اسے غزل کی زبان بھی آتی ہوگی۔ مولانا آزاد نے اس سلسلے میں جو روایتیں لکھی ہیں۔ ہم آسانی سے اسے اسی لیے نہیں جھٹلا پاتے کہ دیوان ذوق ان رنگینیوں پر گواہ عادل ہے۔

سلاست زبان، حسن اور ترکیبوں کی چستی تینوں باتیں ذوق اور ان کی پُر گوئی کے مقابلے میں کوئی بڑی خوبیاں نہیں ہیں، دو غزلہ سہ غزلہ لکھنے والا موسیقی جیسے فن لطیف سے واقفیت رکھنے والے مشاق شاعر سے اس کے خلاف امید ہی نہیں کی جا سکتی۔ اگر مکمل دیوان موجود ہوتا ہے تو شاید اس کا انتخاب ایک بڑے دیوان سے کم نہ ہوتا۔

جس لطیف موسیقی و شعریت کا امتزاج حسرت و شوخی بیان کے نمونے نظر آتے۔ یہ مختصر انتخاب اس کا گواہ ہے۔ مثلاً ان کا شعر ہے

کٹے ہے خنجرِ قاتل سے یہ گلو میرا
کمی جو مجھ سے کرے تو پیے لہو میرا

اور پھر اس غزل کے یہ غضب کے شعر بھی پڑھیے کہ:

نہ پہنچا گردنِ جاناں تک، اور ٹوٹ کے ہائے
پڑا گئے ہیں مرے دست آرزو میرا

نہیں بلا سے کوئی یار، عشق ہیں، اے دل
کہ غمگسار رہوں میں تیرا، اور تو میرا

اور شوخی میں :

مقامِ وجد میں آئیں ابھی ملائکِ عرش
جو میکدے میں سنیں شورہائے وہو پیدا

اس شوخی میں طنزیت کی آمیزش دیکھیے :

آدمیت اور شے ہے، علم ہے کچھ اور چیز
کتنا طوطے کو پڑھایا، پر وہ حیواں ہی رہا

سرخیٔ پان دیکھ لے زاہد جو دنداں پر ترے
اٹھا کھڑا ہو ہاتھ سے تسبیح مرجاں چھوڑ کر

شیخ صاحب کہ ہیں وہ خاصانِ خدا
خدمتی ان کے ہیں جو، زمرۂ خدام میں خاص

لبیک و اذاں، ناقوس و جرس، یا قلقلِ مے، یا نالۂ نے
دل کھینچنے کو اے ہم نفسو! کوئی تو نوائے دلکش ہو

رات اک پگڑی ہوئی تھی میکدے میں رہن مے
ذوق وہ تیری ہی دستارِ فضیلت ہو تو ہو

جب کہا قاصد نے "دن وعدے کا آیا" تو کہا
"اس سے کہہ دو کہ یونہی محشر تک گنا وہ دن کرے"

میں وہ مجنوں ہوں، کہ مجنوں بھی ہمیشہ خط میں
"قبلہ و کعبہ" مجھے لکھتا ہے القاب میں

قصدِ کعبہ کا تھا پھرتے اُلٹے چوم کر اس کے آستانے کو

اس طرح کے شعران کی شوخ طبعی اور کیف آفرینی کے غماز ہیں
جن میں ذرا سی گہرائی آجاتی ہے تو شعر جادو بن جاتے ہیں اور ان میں

آفاقیت و گہرائی، نفسیاتی تاثرات و تاثیر زائی نظر آنے لگتی ہے۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے؟

گر پڑا آگ میں پروانہ دم گرمی شوق
سمجھا اتنا بھی نہ کم بخت کہ جل جاؤں گا

پائی نہ تیغ عشق سے ہم نے کہیں پناہ
قرب حرم میں بھی ہیں تو قربانیوں میں ہم

ہم اپنے جذبۂ دل کے اثر کو دیکھتے ہیں
وہ پہلے بزم میں دیکھیں کدھر کو دیکھتے ہیں

خط پڑھ کے اور بھی وہ ہوا پیچ و تاب میں
کیا جانے لکھ دیا اسے کیا اضطراب میں

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں
واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں

میں اپنے ذوق کے قرباں کہ مستی میں محبت کی
بلایا کس نے اس کو جب یہ آیا بے طلب آیا

ہم اس قسم کے بے شمار اشعار میں سے صرف سات آٹھ شعر اور پیش کریں گے جن سے ان کی فن کاری نمایاں ہوتی ہے۔

اے شمع! دل ہے رونے میں جلتا تو کیا ہوا
ہو جاتی رات اس میں بلا سے بسر تو ہے

ابھی دل پر جراحت، سو نہ دو سو
لے آئے دوستو مرہم ابھی سے

تو گرفتار قفس گر یونہی تڑپے صیاد
کوئی دم میں یہ سمجھنا کہ قفس ٹوٹ گئے
گر فغاں اچھی نہیں تو چپ بھی رہنا ہے بُرا
کچھ تو سینے کا بخار اے دل کبھو نکلا کرے
پھرتا سرگشتہ زمانے میں بھلا کیوں خورشید
ہوس گرمی بازار سے لیے پھرتی ہے
اے شمع! تیری عمر طبیعی ہے ایک رات
ہنس کر اسے گزار یا رو کر گزار دے
ناخن خدا نہ دے تجھے اے پنجۂ جنوں
دے گا تمام عقل کے بخیے ادھیڑ تو

اس عہد میں دو تحریکیں مقبول عام تھیں، ایک معاملہ بندی یعنی جرات و مومن کا رنگ، دوسرے زبان کا استعمال یعنی ناسخ کا انداز جس میں خیال آفرینی بھی تھی۔

ذوق نے دونوں رنگ اپنانے کی کوشش کی جرأت و مومن کی طرز میں ان کے یہاں بہت سے اشعار ملتے ہیں جن میں مندرجہ غزلیں دیکھنے کی ہیں۔

عبث تم اپنا رکاوٹ سے منہ بناتے ہو
وہ اب یہ آئی ہنسی، دیکھو، مسکراتے ہو
بری روکیا ستم گر پیشتر ایسے نہ ہوتے تھے
ولیکن جب تم ہو فتنہ گر ایسے نہ ہوتے تھے
وہ جب واں بے تکلف رات بھر ایسے نہ ہوتے تھے
صبا کے جھونکے یاں وقت سحر ایسے نہ ہوتے تھے

خاص طرز

دہلی کے محاورات و اسلوب بیان وصحت زبان، اخلاق و پاکبازانہ خیالات کے لحاظ سے ذوق اپنے معاصرین میں ممتاز ہیں۔ ان کے یہاں تصوف آشنائی کے باوجود یہ رنگ کم ہے لیکن اخلاقی تعلیم اور غزل کے انداز میں ترنم کے ساتھ یہ وعظ بڑا اچھا اسلوب ہے۔ بڑی زمین ہو یا سخت و مشکل ردیف قافیے ان کی زبان رواں اور خیالات سادے، تشبیہ، استعارے سہل ہوتے ہیں بجوے ذور اور خشتی سے بالکل الگ رہتے ہیں میرے خیال میں ان کے انداز سمجھنے کے لیے یہ انتخاب بہت زیادہ مفید ہوگا جس کے لیے مزید دو چار شعر یہاں بھی نقل کرتا چلوں۔

وقت پیری شباب کی باتیں
ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

اسے ہم نے بہت ڈھونڈا نہ پایا
اگر پایا تو کھوج اپنا نہ پایا

ہم سے ظاہر و پنہاں جو اس غارت گر کے جھگڑے ہیں
دل سے دل کے جھگڑے ہیں، نظروں سے نظر کے جھگڑے ہیں

سر بوقت ذبح اپنا اس کے زیرِ پائے ہے
یہ نصیب! اللہ اکبر، لوٹنے کی جائے ہے

بشر جو اس تیرہ خاکداں میں پڑا یہ اس کی فروتنی ہے
وگرنہ قندیل عرش میں بھی اسی کے جلوے کی روشنی ہے

فاضل

۵۔ دسمبر ۵۵ء

انتخاب

شہید اے ذوق! سینہ میں ہوئی ہیں حسرتیں لاکھوں
مری جو آہ ہے گویا وہ ہے اک نخل ماتم کا

~~~~~

یاں تک عدو زمانہ ہے مردِ دلیر کا
جھلے ہیں منہ شکار کیے پر بھی شیر کا

~~~~~

مرے طالع میں ہے کیا کام اے گردوں ستارے کا
ہمیں تک جانا ہے کافی آتش دل کے شرارے کا
نفس ہو جادۂ عمر رواں جس طرح سے گزرے
یہاں پوچھے ہے اے گمراہ کیا رستہ گزارے کا؟

~~~~~

ہم ہیں اور سایہ ترے کوچہ کی دیواروں کا
کام جنّت میں ہے کیا ہم سے گنہگاروں کا
اتنا تو شور و فغاں ہو کہ چمن میں بلبل
خرمنِ گل کی جگہ ڈھیر ہو انگاروں کا
چرخ پر بیٹھ رہا جان بچا کر عیسیٰؑ
ہو سکا جب نہ مداوا تیرے بیماروں کا

~~~~~

کہے ہے خنجرِ قاتل سے یہ گلو میرا
کمی جو مجھ سے کرے تو پیئے لہو میرا

نہ پہنچا گردن جاناں تک اور ٹوٹ کے ہائے
پڑا گلے میں مرے دستِ آرزو میرا
نہیں بلا سے کوئی یارِ عشق ہیں اے دل
کہ غمگسار ہوں میں تیرا اور تو میرا
مقام وجد میں آئیں ابھی ملائک عرش
جو میکدہ میں سنیں شورِ ہائے و ہو میرا

~~~~~~~~~~

صراطِ عشق پہ از بسکہ ہے ثابت قدم میرا
دمِ شمشیرِ قاتل پر بھی کھل جاتا ہے جسم میرا
وہ ہوں میں گیسوئے موجِ محیطِ اعظمِ وحشت
کہ ہے گھیرے ہوئے روئے زمیں کو پیچ و خم میرا

~~~~~~~~~~

زاہد شراب پینے سے کافر ہوا میں کیوں
کیا ڈیڑھ چلو پانی میں ایمان بہ گیا

~~~~~~~~~~

یوں تنِ خاکی میں دل روشن ہمارا ہو گیا
جس طرح پانی کنوئیں کی تہ میں تارا ہو گیا
میرے نالوں سے جو پانی سنگ خارا ہو گیا
نوح کے چشموں کا ہر آنسو شرارا ہو گیا

~~~~~~~~~~

اس سے تو اور آگ وہ بیدرد ہو گیا
اب آہ آتشیں سے بھی دل سرد ہو گیا

سینہ میں بوالہوس کے بھی تھا آبلہ مگر
نشتر کا نام سُنتے ہی مُنہ زرد ہوگیا

گل اس نگہ کے زخم رسیدوں میں مل گیا
یہ بھی لہو لگا کے شہیدوں میں مل گیا
آخر کو فیض بیعتِ دستِ سبو سے آج
پیرِ مغاں کے میں بھی مریدوں میں مل گیا

کہتے تھے آفتاب قیامت جسے سو وہ
نکلا چراغِ داغ دل اپنا بجھا ہُوا
پھر دل میں آہ سرد ہُوئی میرے شعلہ ور
لو پھر بھڑک اُٹھا یہ فتیلہ بجھا ہُوا

روز کہتا تھا "مزا مجھ کو چکھا دے عشق کا
بھر دیا لون اس نے دل کو چیر کر اچھا ہُوا

یا الٰہی کیا کہوں تیری عنایت کے سوا
میں نے کیا ایسا کیا جو ایسا دل پیدا ہُوا

اس تپش کا ہے مزا دل ہی کو حاصل ہونا
کاش میں عشق میں سرتا بقدم دل ہونا

آسماں درد محبت کے جو قابل ہوتا
تو کسی سوختہ کا آبلۂ دل ہوتا
ذبح ہونے کا مزہ جانتا گر صیدِ حرم
آپ گردن پہ چھری پھیر کے بسمل ہوتا
گر سیہ بخت ہی ہونا تھا نصیبوں میں مرے
زلف ہوتا تیرے رخسار پہ یا تل ہوتا
موت نے کردیا ناچار وگرنہ انسان
ہے وہ خود بیں کہ خدا کا بھی نہ قائل ہوتا

〰〰〰

دل گرفتوں کی اگر خاک چمن میں ہوتی
تو جہاں دیکھتے ہو غنچہ وہاں دل ہوتا
آپ آئینۂ ہستی میں ہے تو اپنا حریف
ورنہ یاں کون تھا جو تیرے مقابل ہوتا
سینۂ چرخ میں ہر اختر اگر دل ہے تو کیا
ایک دل ہوتا مگر درد کے قابل ہوتا
ہوتی گر عقدہ کشائی نہ ید اللہ کے ہاتھ
ذوق حل کیونکہ مرا عقدۂ مشکل ہوتا

〰〰〰

جو نہ ہو امید وا شد، نہ ہو دل گرفتہ، غنچہ
کہ قبول تنگ رہنا نہیں بے کشود ہوتا
یہ حیات چند روزہ جو نہ سدّ راہ ہوتی
تو پھر ایک عرصہ گاہِ عدم و وجود ہوتا

بگولا گر نہ ہوتا وادیِ وحشت میں اے مجنوں
تو گنبد ہم سے سرگشتوں کی تربت پر کہاں ہوتا

قصرِ تن کو ذوق سب غارت کرے گا ایک دن
چیونٹیوں کا پھر رہا ہے یہ جو لشکر زیر پا

جدا ہوں یار سے ہم اور نہ ہوں رقیب جُدا
ہے اپنا اپنا مقدّر جُدا نصیب جُدا
الٰہی جلوہ ہے کس بُت کا آج مسجد میں
کہ دم بخود ہے موذّن جدا خطیب جُدا
ہے اور علم و ادب مکتبِ محبت میں
کہ ہے وہاں کا معلّم جُدا ادیب جُدا
فراق خلد سے گندم ہے سینہ چاک اب تک
الٰہی ہو نہ وطن سے کوئی غریب جُدا
کیا حبیب کو مجھ سے جُدا فلک نے مگر
نہ کر سکا مرے دل سے غمِ حبیب جُدا
کریں جدائی کا کس کس کی رنج ہم اے ذوقؔ
کہ ہونے والے ہیں ہم سب سے عنقریب جُدا

رات آہ میں یوں سینہ سے اک شعلہ سا چمکا
میں نے تو یہ جانا دلِ سوزاں نکل آیا

میں اپنے ذوق کے قرباں کہ مستی میں محبت کی
بُلایا کس نے اس کو جب یہ آیا بے طلب آیا

ساتھ اُن کے ہوں میں سایہ کی مانند ولیکن
اس پر بھی جدا ہوں کہ لپٹنا نہیں آتا

اُن سے کچھ وصل کا ذکر اب نہیں لانا اچھا
وہ جو کچھ کہہ دیں تو تم بھی سُنے جانا اچھا

آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور چیز
کتنا طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

مدتوں دل اور پیکاں دونوں سینہ میں رہے
آخرش دل بہ گیا خوں ہو کے پیکاں ہی رہا

تجھ کو یوسفؑ سے کیا حسن میں برتر پیدا
گر کیا اس کو پیمبر تجھے کافر پیدا

آسماں سخت مزاجوں کو سزا دیتا ہے
سر بسر موئے بدن ہووے جدا سر پیدا

وہ کون ہے جو مجھ پہ تاسف نہیں کرتا
پر میرا جگر دیکھ کہ میں اُف نہیں کرتا

کچھ اور گماں گزرے نہ دل میں ترے کافر
یاد اس لیے مَیں سورۂ یوسف نہیں کرتا
اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر
آرام سے وہ ہے جو تکلف نہیں کرتا

لکھیے اُسے خط میں کہ "ستم اُٹھ نہیں سکتا"
پر ضعف سے ہاتھوں میں قلم اُٹھ نہیں سکتا
بیمار ترا صورتِ تصویر نہالی
کیا اُٹھے سرِ بسترِ غم اُٹھ نہیں سکتا
آتی ہے صدائے جرسِ ناقۂ لیلیٰ
صد حیف کہ مجنوں کا قدم اُٹھ نہیں سکتا
جوں دانۂ روئیدہ تہِ سنگ ہمارا
سر زیر گراں بار الم اُٹھ نہیں سکتا
ہر داغِ معاصی مرا اس دامنِ تر سے
جوں حرفِ سرِ کاغذِ نم اُٹھ نہیں سکتا
اتنا ہوں تری تیغ کا شرمندۂ احساں
سر میرا ترے سر کی قسم اُٹھ نہیں سکتا
کیوں اتنا گراں بار ہے جو زاد سفر بھی
اے راہ روِ ملکِ عدم اُٹھ نہیں سکتا
دُنیا کا زر و مال کیا جمع تو کیا ذوق
کچھ فائدہ بے دستِ کرم اُٹھ نہیں سکتا

اسے ہم نے بہت ڈھونڈا نہ پایا
اگر پایا تو کھوج اپنا نہ پایا
جس انساں کو سگِ دُنیا نہ پایا
فرشتہ اُس کا ہم پایہ نہ پایا
مقدر ہے یہ گر سود و زیاں سے
تو ہم نے یاں نہ کچھ کھویا نہ پایا
لحد میں بھی ترے مضطر نے آرام
خدا جانے کہ پایا یا نہ پایا
کیا تھا، یا نہ تھا، سب ہم پہ گزرا
فلک تونے کیا اپنا نہ پایا
سراغِ عمرِ رفتہ ہاتھ کیا آئے
کہیں جس کا نشانِ پا، نہ پایا
کرے کیا سیر دل ملک فنا کی
کہ اس بازار میں سودا نہ پایا
تہ خنجر ترے بسمل نے تپے ہے
ذرا قابو تڑپنے کا نہ پایا
ترے مجنوں کی تربت پر جنوں سے
بگولے کے سوا سایہ نہ پایا
فلک کے گنبدِ بے در سے ہم تو
نکل جاتے مگر رستہ نہ پایا
جہاں دیکھا کسی کے ساتھ دیکھا
کہیں ہم نے تجھے تنہا نہ پایا

چراغ داغ لے کر دل میں ڈھونڈا
اثر پر صبر و طاقت کا نہ پایا
یہی ہر دم ہے زخمِ دل کو رونا
دہن پایا لب کو یا نہ پایا
کبھی تو اور کبھی تیرا رہا غم
غرض خالی دلِ شیدا نہ پایا
وہ بولے دیکھ کر تصویرِ یوسف
سُنا جیسا اُسے ویسا نہ پایا
کیا ہم نے سلام اے عشق تجھ کو
کہ اپنا حوصلہ اتنا نہ پایا
نہ مارا تو نے پورا ہاتھ قاتل
ستم میں بھی تجھے پورا نہ پایا
نظیر اس کا کہاں عالم میں اے ذوقؔ
کہیں ایسا نہ پائے گا نہ پایا

~~~~~~

عشق کے ہاتھ سے نے قیس بچا نے فرہاد
اس کو گردشت میں تو اس کو جبل میں مارا
کھینچ کر عشق جفا پیشہ نے شمشیرِ جفا
پہلے اک ہاتھ مجھی پر تھا ازل میں مارا
چرخِ بدبیں کی کبھی آنکھ نہ پھوٹی سوبار
تیر نالے نے مرے چشمِ زحل میں مارا
~~~~~~

ہم نے جانا تھا جبھی عشق نے مارا اُس کو
تیشہ فرہاد نے جس وقت جبل میں مارا
اس لب و چشم پہ ہے زندگی و موت اپنی
کہ کبھی دم میں جلایا کبھی پل میں مارا
نہ ہُوا پر نہ ہُوا میر کا انداز نصیب
ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

~~~~~~

کسی بیکس کو اے بیداد گر مارا تو کیا مارا
جو خود ہی مر رہا ہو اُس کو گر مارا تو کیا مارا
بڑے موذی کو مارا نفس امّارہ کو گر مارا
اگر پارے کو اے اکسیر گر مارا تو کیا مارا
نہیں وہ قول کا سچّا ہمیشہ قول دے دے کر
جو اس نے ہاتھ میرے ہاتھ پر مارا تو کیا مارا
تفنگ و تیر تو ظاہر نہ تھا کچھ پاس قاتل کے
الٰہی پھر جو دل پر تاک کر مارا تو کیا مارا
دلِ سنگین خسرو پر بھی ضرب اے کوہکن پہنچے
اگر تیشہ سر کہسار پر مارا تو کیا مارا
دل بدخواہ میں تھا مارنا یا چشم بدبیں میں
فلک پر ذوق تیر آہ گر مارا تو کیا مارا

~~~~~~

دل سے کہتا ہوں کہ تو ساتھ نہ لے جا مجھ کو
جل کے میں واں تیرے قابو سے نکل جاؤں گا

سرد مہروں سے فلک ڈال نہ پالا کہ بن آگ
نخل سرما زدہ کی طرح سے جل جاؤں گا
کہتا وحشت سے یہ ہے جامۂ پیری میرا
دیکھ کپڑا ہوں پرانا ابھی جل جاؤں گا
عقل سے کہہ دو کہ لائے نہ یہاں اپنی کتاب
میں ہوں دیوانہ ابھی گھر سے نکل جاؤں گا
قیس و فرہاد کو بتلاؤں گا کچھ عشق کی راہ
اب کے میں گر طرفِ دشت و جبل جاؤں گا
گر پڑا آگ میں پروانہ دمِ گرمیٔ شوق
سمجھا اتنا بھی نہ کمبخت کہ جل جاؤں گا

~~~~~~~~

خطر ہے خوں سے دل پائمال کے کیسا
بچا ہے دیکھنا دامن سنبھال کے کیسا
ہزار دم ہیں اُسے یاد تو نے دیکھا ذوق
گیا وہ غیر کے گھر تجھ کو ٹال کے کیسا

~~~~~~~~

بیٹھ رہیے تو قفس ہے عجب آرام کی جائے
پر ہے بے چین ہمیں شوق رہائی کرتا

~~~~~~~~

ذوق بیمار محبت ہے خدا خیر کرے
کہ یہ آزار ہُوا جس کو وہ جانبر نہ ہُوا
~~~~~~~~

مرا دل آ گئے ہی سینہ میں اِک پھوڑا سا پکتا ہے
خیالِ خطِ سبزِ یار نے کیوں برگ پاں باندھا

رہتا ہے اپنا عشق میں یوں دل سے مشورہ
جس طرح آشنا سے کرے آشنا صلاح
یارب ہو دل کی خیر کہ کچھ کر رہے ہیں آج
چشم و نگاہ مشورہ ناز و ادا صلاح

نگہ نہیں۔حرف دل نشیں تھا۔دہن کی تنگی سے تنگ ہو کر
نکل کے رستہ سے چشمِ فتاں کے دل میں بیٹھا خدنگ ہو کر
پھر آیا لو وہ نگارِ خونی ادھر کو سرگرم جنگ ہو کر
کہ جس کے ہاتھوں سے اُڑ گئے سر ہزاروں میدھی کا رنگ ہو کر
جو رنگ اُلفت سے آشنا ہیں وہ گر بُرے بھی ہیں خوشنما ہیں
کہ رنگ ہی سے گراں بہا ہیں عقیق و یاقوت سنگ ہو کر

مجھ سا مشتاقِ جمال ایک نہ پاؤ گے کہیں
گرچہ ڈھونڈو گے چراغ رخ زیبا لے کر
رہ گیا اپنا سا مُنہ لے کے وہ آئینہ رو
تیری تصویر کو یوسف نے جو دیکھا لے کر
تیرے پرزے ہیں کیے خط کی طرح اے قاصد
شکر کر چھوڑ دیا اُس نے نوشتہ لے کر

واں سے یاں آئے تھے اے ذوقؔ تو کیا لائے تھے
یاں سے تو جائیں گے ہم لاکھ تمنا لے کر

پوچھو چلے ہیں کونسے کعبہ کو اہلِ درد
ملکِ فنا ہے جائیں ذرا دل سنبھال کر

لے گیا دل کون میرا ذوقؔ کس کا نام لوں
سامنے آجائے تو شاید بتا دوں دیکھ کر[1]

ترا مکاں تو ہے کیا۔ لامکاں میں کود پڑیں
امیدِ وصل میں ہم، بامِ عرش پر چڑھ کر

سرخیٔ پاں دیکھ لے زاہد جو دنداں پر ترے
اٹھ کھڑا ہو ہاتھ سے تسبیحِ مرجاں چھوڑ کر

گرچہ ہے ملکِ دکن میں ان دنوں قدرِ سخن
کون جائے ذوقؔ پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر

---

[1] جعفر حسین منظرؔ لکھنوی کا شعر ہے ؎
اہلِ محشر دیکھ لوں قاتل کو تو پہچان لوں
بھولی بھولی شکل تھی اور کچھ بھلا سا نام تھا

یہ جوئے خوں رواں نہیں دیکھو ہے رو رہا
تیشہ سر اپنا رکھ کر سرِ کوہکن کے پاس
انگشتِ شمع کیوں نہ اُٹھے بہرِ فاتحہ
یہ ڈھیر ہے پتنگ کا پائے لگن کے پاس
میں تو اسی جھجک پہ فدا ہوں کہ کان کو
شب گیا ہٹا لیا مرے لا کر دہن کے پاس
میں نے کہا کہ بوسہ تمہی دو ادب سے میں
لا سکتا اپنا منہ نہیں چاہِ ذقن کے پاس
اے ذوق صدقے جائیے پیکِ خیال کے
کیا لے گیا اُڑا کے بُتِ سیمتن کے پاس

~~~~~~~~~~

خضر! باتیں ہیں کہ ہے چشمۂ حیواں جاں بخش
ہے یہ خاصیت اسی کے لب و دشنام میں خاص
شیخ صاحب کے ہیں نزدیک وہ خاصانِ خدا
خدمتی اُن کے ہیں جو زمرۂ خدام میں خاص
عشق کا جوش ہے جب تک کہ جوانی کے ہیں دن
یہ مرض کرتا ہے شدت انھیں ایام میں خاص

~~~~~~~~~~

سراپا شوق جائیں سر کے بل ہم جن کے جلسہ میں
مثالِ شمع وہ ہم کو جلائیں سر سے پاؤں تک
نہ ہوں بے پردہ تو بھی وہ کھڑے ہو ہو کے شوخی سے
پھبن چلمن سے در پردہ دکھائیں سر سے پاؤں تک

بغل میں جیسا مرا دل بغل کا دشمن ہے
نہ ایسا ہو کسی دشمن کے بھی کنار میں دل
ترا سنگار بھی ہے وہ بلا کہ جائے گہر
پروئے زلفِ مسلسل کے تار تار میں دل

~~~~~~~~~~

عیاں ہے یوں مرے روزِ سیاہ میں خورشید
کہ جیسے شب کو نظر آئے دور سے قندیل

~~~~~~~~~~

پابند جوں دخاں ہیں پریشانیوں میں ہم
یارب ہیں کس کی زلف کے زندانیوں میں ہم
پائی نہ تیغِ عشق سے ہم نے کہیں پناہ
قربِ حرم میں بھی ہیں تو قربانیوں میں ہم
دوزخ بھی جائے نعرۂ ھل من مزید بھول
لائیں جو آہ کو شرر افشانیوں میں ہم
کیوں جی کے ہجر میں ہوئے شرمندہ یار سے
اب مر رہے ہیں اس کی پریشانیوں میں ہم
جا سکتے ضعف سے نہیں کوچے میں اس کے ذوق
بہ جائیں کاش گریہ کی طغیانیوں میں ہم

~~~~~~~~~~

دیتا ہے دورِ چرخ کسے فرصتِ نشاط
ہو جام جس کے ہاتھ میں وہ جم سے کم نہیں
~~~~~~~~~~

مشکل ہے میرے عہد محبت کا ٹوٹنا
اے بیوفا یہ تیری "خدا کی قسم" نہیں
جاتا ہے آنکھیں بند کیے ذوق تو کہاں
یہ راہ کوئے یار ہے راہ عدم نہیں

~~~~~~~~~~

یہ نہیں شیشہ مے، ہے کسی میخوار کا دل
محتسب دیکھ نہ کر دلشکنی خوب نہیں

~~~~~~~~~~

سامنے سے مرے ٹلتا نہیں ناصح جب تک
مغز کھاتا مرا دو چار گھڑی خوب نہیں
خوب رویوں سے بہت آنکھ لڑی پر افسوس
قسمت اے ذوق کہیں اپنی لڑی خوب نہیں

~~~~~~~~~~

علم جس کا عشق اور جس کا عمل وحشت نہیں
وہ فلاطوں ہے تو اپنے قابل صحبت نہیں
خواہ گردش ہے زمیں کو خواہ پھرتا ہے فلک
پر یہیں زیر فلک سرمنزل راحت نہیں

~~~~~~~~~~

ہیں وہ نہیں کہ تم ہو کہیں اور کہیں ہوں میں
میں ہوں تمہارا سایہ جہاں تم وہیں ہوں میں
یارب کوئی کا تارا ہوں یا آسماں کا ہوں
نام آسماں پہ میرا ہے زیر زمیں ہوں میں

مجھے ہو کس طرح قول و قسم کا اعتبار اُن کے
ہزاروں دے چُکے وہ قول لاکھوں کھا چُکے قسمیں

ہستی و نا آشنائی وحشت و بیگانگی
یا تری آنکھوں میں دیکھی، یا ترے دیوانہ میں
ایک پتھر چومنے کو شیخ جی کعبے گئے
ذوق ہر بُت قابلِ بوسہ ہے اس بت خانہ میں

لگاتے تہمت گریہ ہیں دل جلوں کو ترے
یہ ہیں وہی جو لگاتے ہیں آگ پانی میں
کہانیاں ہیں حکایاتِ خضر و آبِ بقا
بقا کا ذکر ہے کیا اس جہانِ فانی میں

کبھی کرنا ہوا فغاں اور کبھی ضبط فغاں
نہیں معلوم وہ خوش اس میں ہے یا ہے اس میں
جا پڑا پاؤں پہ قاتل کے تڑپ کر کشتہ
سرد ہونے پہ بھی گرمی وفا ہے اس میں

وہ مست ہوں کہ رکھتے قدح کش تمنا
بنیادِ میکدہ میری خشت لحد سے ہیں
جاں دادگانِ عشق سے پوچھو فنا کی راہ
اس میں جنابِ خضر ابھی نابلد سے ہیں

جھکائے ہے سرِ تسلیم ماہِ نو پہ وہ
غرورِ حسن سے کس کا سلام لیتے ہیں

سلام کرتے ہیں ان کو جدھر کو دیکھتے ہیں
اور ان کو دیکھو ذرا وہ کدھر کو دیکھتے ہیں
وہ دیکھیں بزم میں پہلے کدھر کو دیکھتے ہیں
محبت آج ترے ہم اثر کو دیکھتے ہیں
یہ لوگ کیوں مرے عیب و ہنر کو دیکھتے ہیں[1]
انھیں تو دیکھیں ذرا وہ کدھر کو دیکھتے ہیں
میں چپکا دیکھ رہا ہوں جگر کے داغوں کو
کہ چارہ انھیں وہ چارہ گر کو دیکھتے ہیں
ہے ان کی چشم کی گردش پہ گردشِ عالم
جدھر ہو ان کی نظر سب اُدھر کو دیکھتے ہیں
ہم ان کے کوٹھے پہ چڑھ کر ہیں ڈھونڈتے ہر عید
کدھر کو چاند ہے اور ہم اِدھر کو دیکھتے ہیں
اُدھر اُفق میں ہو شام اور ادھر ہمیں دیکھو
ابھی سے دمبدم اُٹھ کر سحر کو دیکھتے ہیں

---

[1] غالبؔ و ذوقؔ کا لفظی توارد و فرق دیکھنے کے قابل ہے۔ غالبؔ کہتے ہیں۔
"یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں"

بہت ظاہر و پنہاں جو اس غارتگر کے جھگڑے ہیں
دل سے دل کے جھگڑے ہیں نظروں سے نظر کے جھگڑے ہیں

جیتے ہی جی کیا مُلکِ فنا ہیں ساتھ بشر کے جھگڑے ہیں
مر کے ادھر سے جبکہ چھٹے تو جا کے اُدھر کے جھگڑے ہیں

کیسا مومن، کیسا کافر، کون ہے صوفی، کیسا رند
سارے بشر ہیں بندے حق کے سارے شر کے جھگڑے ہیں

غم کہتا ہے دل میں رہوں میں جلوۂ جاناں کہتا ہے میں
کس کو نکالوں کس کو رکھوں! یہ تو گھر کے جھگڑے ہیں

بحر میں موتی پانی پانی لعل کا دل خوں پتھر میں
دیکھو! لب و دنداں سے تمہارے لعل و گہر کے جھگڑے ہیں

دوست کے گھر میں دشمن ہو جب سنگ ہمارے سینہ پر
دل کا ذکر ہی رہ کیا باقی پھر تو سر کے جھگڑے ہیں

حضرتِ دل کا دیکھنا عالم ہاتھ اُٹھائے دنیا سے
پاؤں پسارے بیٹھے ہیں اور سر پہ سفر کے جھگڑے ہیں

ذوق مرتب کیونکر ہو دیواں شکوۂ فرصت کس سے کریں
باندھے گلے میں ہم نے اپنے آپ ظفر کے جھگڑے ہیں

~~~~~~~~~~

اب تو رات آخر ہوئی میری طرف دیکھو ذرا
مسجدوں میں لوگ اذاں اے مہ لقا کہنے کو ہیں

میں ترے ہاتھوں کے قرباں واہ کیا مارے ہیں تیر
سب دہانِ زخم منہ سے مرحبا کہنے کو ہیں
~~~~~~~~~~

وہ جنازے پر مرے کس وقت آئے دیکھنا
جبکہ اذنِ عام میرے اقربا کہنے کو ہیں
پوچھو قاتل سے کرے گا قتل آخر کب تلک
اپنی تاریخ آج ہم پیش از قضا کہنے کو ہیں
کیا تماشا ہے کہ ان کے کان میں اُٹھا ہے درد
ہم جو آئے دردِ دل اپنا ذرا کہنے کو ہیں

دشتِ جنوں میں مَیں جو اُٹھاؤں ذرا قدم
پائے رفیق و ہمتِ رہبر کو توڑ دوں
ساقی لڑائیوں سے تیری چاہتا ہے جی
باہم لڑا کے شیشہ و ساغر کو توڑ دوں
احسان ناخدا کا اُٹھائے میری بلا
کشتی خدا پہ چھوڑ دوں لنگر کو توڑ دوں
اے آشنا نہ پوچھ گرانباریٔ گناہ
کشتی میں ہوں تو بوجھ سے لنگر کو توڑ دوں
پھر اس مژہ کو یاد کرے دل تو دل میں ذوق
نشتر چبھو کے میں سرِ نشتر کو توڑ دوں

رخصتِ پرواز گر دیویں قفس کی تیلیاں
جل کے دیکھ آئیں جو کچھ رکھی تھیں خس کی تیلیاں
سوزِ غم سے ہیں سلگتے جسم و جانِ ناتواں
کب کا یہ کوڑا تھا یا رب کے برس کی تیلیاں

وقتِ پیری شباب کی باتیں
ایسی ہیں جیسی خواب کی باتیں
پھر مجھے لے چلا ادھر دیکھو
دل خانہ خراب کی باتیں
واعظا چھوڑ ذکرِ نعمتِ خلد
کر شراب و کباب کی باتیں
حرف آیا جو آبرو پہ مری
ہیں یہ چشم پُر آب کی باتیں
مہ جبیں! یاد ہیں کہ بھول گئے
وہ شبِ ماہتاب کی باتیں
تجھ کو رسوا کریں گی خوب اے دل
تیری یہ اضطراب کی باتیں
جاؤ ہوتا ہے اور بھی خفقان
سُن کے ناصح، جناب کی باتیں
سُنتے ہیں اس کو چھیڑ چھیڑ کے ہم
کس مزے سے عتاب کی باتیں

رندِ خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو
تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو
ناخن خدا نہ دے تجھے اے پنجۂ جنوں
دے گا تمام عقل کے بخیے ادھیڑ تو

آوارگی سے کوئے محبت کی ہاتھ اُٹھا
اے ذوق یہ اُٹھا نہ سکے گا کھکیڑ تو

نہ سمجھو دشت شفا خانۂ جنوں ہے یہ
جو خاک سی بھی پڑے پھانکنی دوا سمجھو

کیا ڈھونڈتا ہے تو عملِ بغض و محبت
چلتا ہُوا تعویذ سمجھ نقش درم کو
خوبی سے نہیں رونقِ بازار کو یوسف
اس شکل و شمائل پہ بکا چند درم کو

دیکھیں تم کیسے بھلکڑ ہو جب کرتے ہو یاد
بھول تو جاؤ بھلا میرے بھلاوے اس کو
مشتِ خاک اپنی ہم اس کوچہ میں کل پھینک آئے
اب وہ ذوق آپ اُٹھائے نہ اٹھاوے اس کو
ہووے گا کشتئ طوفان زدہ تابوت اپنا
آگیا اپنے اگر مرنے پہ رونا ہم کو
جا بجا نام تو جوں نقشِ قدم چھوڑ گیا
خاک گم ہو کے کیا ڈھونڈھنے عنقا ہم کو
اور ہمدرد کہاں ہو نہ ہو اے حضرتِ دل
درد اب تم کو ہمارا ہو تو تمھارا ہم کو

رشک تھا اپنے نوشتے پہ کہ اس نوخط نے
خط لکھا غیر کو اور بھول کے بھیجا ہم کو
کہتے جوں کوہ نہیں ہم تو سخن میں سبقت
پر وہ کچھ ہم سے سُنے گا جو کہے گا ہم کو
مل گئیں خاک میں جو صورتیں ہے ان کا خیال
کیوں نہ فانوس خیالی ہو بگولا ہم کو
ہم وہ ہیں وحشیِ لاغر کہ چھپا لیتی ہے
زیرِ دامن نگہ آہوئے صحرا ہم کو
ہم نہ کہتے تھے کہ ذوق اس کی تو زلفوں کو نہ چھیڑ
اب وہ برہم ہے تو ہے تجھ کو قلق یا ہم کو
یہ تو یوں مضطرب اور سینے میں لاکھوں روزن
دل کا رہنا نظر آتا نہیں اصلا ہم کو
دیکھا آخر نہ کہ پھوڑے کی طرح پھوٹ بہے
ہم بھرے بیٹھے تھے کیوں آپ نے چھیڑا ہم کو
ہم سفر ہو نہ سکا کوئی بھی اپنا لیکن
جادہ پہنچانے گیا تا لبِ دریا ہم کو
وصل کا اس کے تصوّر جو بندھا رہتا ہے
تو مزے ہجر میں بھی آتے ہیں کیا کیا ہم کو
واہ قسّامِ ازل صدقے ہم اس قسمت کے
جامِ عشرت اُسے اور داغ تمنّا ہم کو

لبیک واذاں، ناقوس وجرس یا قلقل مے یا نالۂ نے
دل کھینچنے کو اے ہمنفسو! کوئی تو نوائے دل کش ہے

~~~~~~~~~~

مجھے بلوہ میں مارا ہے نگاہ و ناز و مژگاں کے
بتاؤں کس کو قاتل کس سے میرے خوں کا دعوےٰ ہے

اکیلا رہ گیا یاروں سے یوں ہوں ناتوانی میں
کہیں شاخ خزاں دیدہ پہ جیسے زرد پتّا ہو

~~~~~~~~~~

مری تاثیر وحشت وہ ہے مضطر جس سے پتھر ہو
نگیں پر نام لکھ دوں تو نکل کے گھر سے باہر ہو

~~~~~~~~~~

عبث تم اپنی رکاوٹ سے منہ بناتے ہو
وہ آئی لب پہ ہنسی دیکھو مسکراتے ہو
چھپا کے پان یہ کس کے لیے بناتے ہو
ہمارے قتل کا بیڑا کہیں اٹھاتے ہو
لگا کے سُرمہ تم آنسو نہیں بہاتے ہو
یہ ہم کو جلوۂ شق القمر دکھاتے ہو
ملاپ جانیں جبھی ہم کہ دے کے تم بوسہ
کہو کہ آؤ زباں سے زباں ملاتے ہو
جلا رہے ہیں سویدائے دل کو ہم اپنے
نظر گزر کو تم اسپند کیا جلاتے ہو
~~~~~~~~~~

موت ہی سے کچھ علاج دردِ فرقت ہو تو ہو
غسلِ میّت ہی ہمارا غسلِ صحت ہو تو ہو

ہو تو ہو آباد کیونکر یہ خراب آبادِ دل
عشقِ غارت گر اگر دُنیا سے غارت ہو تو ہو

کہتے ہیں شورِ قیامت جس کو وہ اے چشمِ یار
تیرے مستوں کی صفیرِ خوابِ غفلت ہو تو ہو

آگ میں جل مرتا ہے پروانہ سا کرمِ ضعیف
آدمی سے کیا نہ ہو لیکن محبت ہو تو ہو

انتظارِ یار میں جو چشم ہو جائے سفید
مردمک اُس میں کہاں ہو داغِ حسرت ہو تو ہو

رات اِک پگڑی ہوئی تھی میکدہ میں رہن مے
ذوق وہ تیری ہی دستارِ فضیلت ہو تو ہو

ہوتے ہیں تیرے پیار سے ہم اور زیادہ
تو لطف سے کرتا ہے ستم اور زیادہ

گھبرانا جو یاد آیا تیرا ہو کے ہم آغوش
گھبرانے لگا سینہ میں دم اور زیادہ

کچھ کی رقمِ شوق نے تاثیر جو پیدا
اُٹھنے لگا قاصد کا قدم اور زیادہ

جو چھیڑے برق کو یہ تفتۂ جاں تو کہتی ہے
کہ دیکھو مجھ کو لگانا نہ جلتے جلتے ہاتھ

~~~~~~~~

اے ذوق وقت نالہ کے رکھ لے جگر پہ ہاتھ
ورنہ جگر کو روئے گا تو دھر کے سر پہ ہاتھ
اے ذوق میں تو بیٹھ گیا دل کو تھام کر
اس ناز سے کھڑے تھے وہ رکھے کمر پہ ہاتھ

~~~~~~~~

لذّتیں نئی ہیں دل پر محن کے ساتھ
اک زخم تازہ روز ہے زخم کہن کے ساتھ
دستِ جنوں نہ دے مجھے ناخن خدا کہ تو
ٹکڑے اڑا دے تن کے میرے پیرہن کے ساتھ
افسردہ دل کے واسطے کیا چاندنی کا لطف
لپٹا پڑا ہے مردہ سا گویا کفن کے ساتھ
پایا درِ اثر نہ کہیں شب کو آہ نے
سر مارتی پھری ہے سپہرِ کہن کے ساتھ

~~~~~~~~

میں تو اُن آنکھوں کی گردش کا بلا گردان ہوں
کہ نہیں تیری جہاں گردشِ گردوں چلتی

~~~~~~~~

کسی کے دل کا سنو حال دل لگا کر تم
جو ہو دے دل کو تمھارے کبھی مہربان لگی
خدا کرے کہ تجھ سے یہ کچھ خدا لگتی
کہ زلف اے بت بدکیش تیرے کان لگی
تباہ بحرِ جہاں میں تھی اپنی کشتیٔ عمر
سو ٹوٹ پھوٹ کے بارے کنارہ آن لگی

عیسےٰ بھی پاس ہے نہیں ممکن مگر شفا
خورشید کو تپ ہے وہ فلک پر لگی ہوئی
اے ذوق آشنا دختر رز کو نہ منہ لگا
چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

مجنوں و کوہکن کے سنتے تھے یار قصّے
جب تک کہانی اپنی ہم نے نہ تھی سنائی
جس بات پر تمھاری سب غش ہیں ہم سے پوچھو
ہم کہویں آنکھوں دیکھی وہ سب سنی سنائی
کہنے نہ پائے اس سے ساری حقیقت اک دن
آدھی کبھی سنائی، آدھی کبھی سنائی

تھے تمہی نکلے جو اس دام بلا سے اے ذوق
ورنہ تھے پیچ میں اس زلف کے آئے تو سہی

نکلے ہو میکدے سے ابھی مُنہ چھپا کے تم
دابے ہوئے بغل میں صراحی شراب کی
اے ذوقؔ بس نہ آپ کو صوفی جتایئے
معلوم ہے حقیقت ہو حق جناب کی

برق میرا آشیاں کب کا جلا کر لے گئی
کچھ جو خاکستر بچا آندھی اُڑا کر لے گئی
دشت وحشت میں بگولا تھا، کہ دیوانہ ترا
روحِ مجنوں بہرِ استقبال آ کر لے گئی
ذوقؔ مرجانے کا تو اپنے کوئی موقعہ نہ تھا
کوئے جاناں میں اجل ناحق لگا کر لے گئی

کب حق پرست زاہد جنت پرست ہے
حوروں پہ مر رہا ہے یہ شہوت پرست ہے
ہر وقت ذبح اپنا اس کے زیر پائے ہے
یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے
رخصت اے زنداں! جنوں زنجیر در کھڑکائے ہے
مژدہ خار دشت، پھر تلوا مرا کھجلائے ہے
واہ وا شور محبت، خوب ہی چھیڑا کا [illegible]
استخواں میری ہما کس مزے سے کھائے ہے
دم کی ہے سینے میں آ کر ضعف سے یہ گفتگو
"دیکھیے لب تک خدا کس طرح سے پہنچائے ہے"

بس کرم سوز دروں! بھن جائیں گے دل اور جگر
رحم جوشِ گریہ چھاتی پھر ابھی بھر آئے ہے
بل بے استغنا کہ وہ یاں آتے آتے رہ گئے
اف رے بیتابی کہ یاں تو دم ہی نکلا جائے ہے
نزع میں بھی ذوق کو تیرا ہی ہے بس انتظار
جانب در دیکھ لے ہے جبکہ ہوش آجائے ہے

بشر جو اس تیرہ خاکداں میں پڑا یہ اس کی فروتنی ہے
وگرنہ قندیلِ عرش میں بھی اسی کے جلوے کی روشنی ہے
ہوئے ہیں تر گریۂ ندامت سے اس قدر آستین و دامن
کہ میری تر دامنی کے آگے عرق عرق پاک دامنی ہے
ہوئے ہیں اس اپنی سادگی سے، ہم آشنا جنگ و آشتی سے
اگر نہ ہو یہ تو پھر کسی سے، نہ دوستی ہے نہ دشمنی ہے
لگا نہ اس بتکدے میں تو دل، یہ ہے طلسم شکست غافل
کہ کیسا ہی کوئی خوش شمائل صنم ہے، آخر شکستنی ہے

آنکھ اس پُر جفا سے لڑتی ہے
جاں کشتی قضا سے لڑتی ہے
صفِ مژگاں تری، خدا کی پناہ
اک بلا، اک بلا سے لڑتی ہے

اے بلبل نادان تری فریاد غضب ہے
کربات بھی آہستہ کہ صیاد غضب ہے
شیطاں بھی اماں مانگتا ہے ان کے عمل سے
کیا حضرت آدم کی بھی اولاد غضب ہے
پریوں پہ تری طرح سے مرتے نہیں ہمدم
ہم جس پہ ہیں عاشق وہ پری زاد غضب ہے
تارے یہ فلک پر ہیں کہ اُڑتے ہیں شرارے
عاشق کی ترے گرمی فریاد غضب ہے
ہے غم سے ہنوز آئینہ بادیدۂ پُر آب
اسکندر رومی کی بھی روداد غضب ہے

دروازہ میکدے کا نہ کر بند محتسب
ظالم خدا سے ڈر کہ دَرِ توبہ باز ہے

مستوں کے لیے رحمت باری کے ہیں آثار
زاہد جو دعا مانگتا باراں کے لیے ہے
کچھ میرے نصیبوں سے زیادہ جو سیاہی
باقی ہے تو میری شب ہجراں کے لیے ہے

وہ دل کہ نہ لا سکتا تھا چین جبیں کی تاب
زیرِ شکنجہ زلفِ شکن در شکن میں ہے

ہوش و خرد کو دیکھ لیا درد سر ہیں ذوق
آرام کو بھی دیکھ کہ دیوانہ پن میں ہے

ہیں درد سے ہوں عشق نے بیٹھا ہوا لبریز
پر دل یہی کہتا ہے کہ ہرگز نہ کہوں ہے

کہتے ہیں لوگ موت کو سب جانے جانے ہے
پر میرے پاس اسے بھی کوئی کھائے جائے ہے
لکھوا کے بھیج دیتا ہے اک پرچہ گاہ گاہ
دل کو ذرا ذرا مرے پر چاٹے جائے ہے

آنا ہے ان کا کہ جو قیامت پہ منحصر
ہم خوش ہیں یہ کہ آنے کی اُن کے خبر تو ہے
اے شمع دل ہے رونے میں جلتا تو کیا ہوا
ہوجاتی رات اس میں بلا سے بسر تو ہے

گر اب کے پھرے جیتے وہ کعبے کے سفر سے
تو جانو پھرے شیخ جی اللہ کے گھر سے
سرمایۂ امید ہے کیا پاس ہمارے
اک آہ ہے سینے میں سو نومید اثر سے
وہ خلق سے پیش آتے ہیں جو فیض رساں ہیں
ہیں شاخ ثمردار میں گل پہلے ثمر سے

حاضر ہیں مرے توسنِ وحشت کے جلو میں
باندھے ہوئے کہسار بھی دامن کو کمر سے
کچھ رحمتِ باری سے نہیں دُور کہ ساقی
رو دیں جو ذرا مست تو مے ابر سے برسے
اے ذوق رہِ عشق میں ہے خضر و مسیحا
ہمدم جو نکل آئے کوئی گرد سفر سے

کب وہ گزرتے ہیں سرِ لاف و گزاف سے
جن کی کہ آشنا ہے زباں لام و کاف سے
اوّل ہی سے بشر کو ہے رغبت خلاف سے
لیتا تھا کام منہ کا شکم میں یہ ناف سے
چل میکدہ میں شیخ بسر کر یہ صیام
مسجد میں تنگ بیٹھا ہے کیوں اعتکاف سے

ایک بھی نہ نکلے میری سی صدائے دلخراش
خوں اگر ٹپکے نوائے مرغِ خوش آہنگ سے
اُڑائی طرز نالے کی تھی اک دم تیرے محزوں نے
سو اب تک دیکھ لے منقارِ طوطی سرخ ہے خوں سے

اگر ہوتے ہو تم برہم ابھی سے
تو پھر ہوتے ہیں رخصت ہم ابھی سے

ترے بیمارِ غم کے ہیں جو غمخوار
برستا اُن پہ ہے ماتم ابھی سے
تمھارا مجھ کو پاسِ آبرو تھا
وگرنہ اشک جاتے تھم ابھی سے؟
نکلتے ہی دم اٹھواتے ہیں مجھ کو
تو نے بیزار کیوں ہمدم ابھی سے
ابھی دل پر جراحت سو نہ دو سو
لے آئے دوستو مرہم ابھی سے؟
موا جانا مجھے غیروں نے اے ذوق
کہ پھرتے ہیں خوش و خرّم ابھی سے

اے شمع تیری عمرِ طبیعی ہے ایک رات
ہنس کر گزار یا اسے رو کر گزار دے
نے رزم ہے، نہ پاسِ مروّت، نہ منصفی
پھر جان کس امید پہ یہ جاں نثار دے
بے فیض چشمۂ آبِ نمک کا ہے تو کیا
مانگوں تو ایک قطرہ نہ آئینہ وار ہے
پشّے سے سیکھے شیوۂ مردانگی کوئی
جب قصدِ خوں کو آئے، تو پہلے پکار دے
اس جبر پر تو ذوق بشر کا یہ حال ہے
کیا جانے کیا کرے جو خدا اختیار دے

کیا ہاتھ دیکھتا ہے مرا چھوڑ دے طبیب
یاں جان ہی بدن میں نہیں نبض کیا چلے
لے جائیں تیرے کشتے کو جنت میں بھی اگر
پھر پھر کے تیرے گھر کی طرف دیکھتا چلے
اس روئے آتشیں کے تصور میں یاد زلف
ہے کیا غضب کہ آگ سے اور ہوا چلے

مجھ سے کچھ پوچھو نہ خونابۂ حسرت کے مزے
زہر کے گھونٹ ہیں پر رکھتے ہیں شربت کے مزے
بے محبت نہیں اے ذوق شکایت کے مزے
بے شکایت نہیں اے ذوق محبت کے مزے

سنا کرتے تھے شہرہ ذوق جن کی پارسائی کا
وہ سب یار خرابات اپنے نکلے ہمنشیں نکلے

غنچے تری غنچہ دہنی کو نہیں پاتے
ہنستے تو ہیں پر تیری ہنسی کو نہیں پاتے
ہم تم سا عدو اپنا کسی کو نہیں پاتے
تم ہم کو جو پاؤ تو چھری کو نہیں پاتے

کیا خط لکھوں انھیں کہ جو لکھنے کی بات ہے
پہلے ہی غیب داں ہیں انھیں سب پڑھا چکے

زہراب یا شراب یہاں سب ہے نوش جاں
ساقی پیالہ منہ سے ہم اب تو لگا چکے
اچھا کیا وفا کے عوض تم نے کی جفا
جانے دو تم بھی اب کہ کیا اپنا پا چکے
اے دل زمیں کا بوجھ ہے یا آسماں کا بار
ہیں اب تو سر پہ بار محبت اٹھا چکے
مدت سے موت و زیست پڑے ہیں گلے کا ہار
تیغ نگہ تری کہیں قصہ چکا چکے
باز آیا دیکھنے سے نہ آتش رخوں کے دل
سو بار آبلے اسے آنکھیں دکھا چکے
حاجت نہیں ہے تیرے شہیدوں کو غسل کی
ہیں تیغ آبدار سے خوں میں نہا چکے
تم بھول کر بھی یاد نہیں کرتے ہو کبھی
ہم تو تمھاری یاد میں سب کچھ بھلا چکے
دیکھو خدا کے نام نے روشن کیا نشاں
دشمن ہمارے نام کو کیا کیا مٹا چکے
مسجد میں بیٹھے کیا ہو چلو میکدے کو ذوق
اٹھو کہیں وظیفہ بہت بڑبڑا چکے

چپکے چپکے غم کا کھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
جی ہی جی میں تلملانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

ابر کیا، آنسو بہانا، کوئی ہم سے سیکھ جائے
برق کیا ہے تلملانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
ذکر حسن شمع لانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
ان کو در پردہ جلانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
جھوٹ موٹ افیون کھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
ان کو کف لاکر ڈرانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
لطف اٹھانا ہے اگر منظور اس کے ناز کا
پہلے اس کا ناز اٹھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
زخم تو سیتے ہیں سب ہر سوزن الماس سے
چاک سینے کا سلانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
پوچھے ملا سے جسے کرنا ہو سجدہ سہو کا
سیکھے گر اپنا بھلانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
تیر و پیکاں جتنے دل میں تھے دیئے اس کو نکال
اپنے ہاتھوں گھر لٹانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
تیغ تو اچھی پڑی تھی گر پڑے ہم آپ سے
دل کو قاتل کے بڑھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

یاں کے آنے کا مقرر قاصدا وہ دن کرے
جو تو مانگے گا وہی دوں گا خدا وہ دن کرے
جب کہا قاصد نے "دن وعدے کا آیا" تو کہا
"اس سے کہہ دو یوں ہی محشر تک گنا وہ دن کرے

جل اُٹھے شمع کے مانند قصہ خواں کی زباں
ہمارا قصۂ پُر سوز لحظہ بھر تو کہے

~~~~~~

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے
آگ دوزخ کی بھی ہو جائے گی پانی پانی
جب یہ عاصی عرقِ شرم سے تر جائیں گے
ہم نہیں وہ جو کریں خون کا دعوےٰ تجھ سے
بلکہ پوچھے گا خدا بھی تو مکر جائیں گے
ذوق جو مدرسے کے بگڑے ہوئے ہیں مُلّا
ان کو میخانے میں لے آؤ سنور جائیں گے

~~~~~~

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے
بہتر تو ہے یہی کہ نہ دُنیا سے دل لگے
پر کیا کریں کہ جو کام نہ بے دل لگی چلے
کم ہوں گے اس بساط پہ ہم جیسے بد قمار
جو چال ہم چلے سو نہایت بری چلے
ہو عمر خضر بھی تو کہیں گے بوقت مرگ
ہم کیا رہے یہاں ابھی آئے ابھی چلے
جاتے ہوائے شوق میں ہیں اس چمن سے ذوق
اپنی بلا سے بادِ صبا اب کبھی چلے

چارہ گر سوزنِ تقدیر میں کچھ اور ہیں تار
جیب کے تار جو ہو ہو کے رفو ٹوٹ گئے
کیا بیاں تم سے کروں زورِ شکستِ دل کا
کہ مری خاک سے بن بن کے سبو ٹوٹ گئے

~~~~~~~~

یاد آیا جو اسیرانِ قفس کو گلزار
مضطرب ہو کے یہ تڑپے کہ قفس ٹوٹ گئے
تو گرفتار قفس گر یونہی تڑپے صیاد
کوئی دم میں یہ سمجھنا کہ قفس ٹوٹ گئے

~~~~~~~~

تم جسے یاد کرو پھر اُسے کیا یاد رہے
نہ خدائی کی ہو پروا نہ خدا یاد رہے
دیکھ بھی لینا ہمیں راہ میں اور کیوں صاحب
ہم سے منہ پھیر کے جانا یہ بھلا یاد رہے
داغ دل پر میرے پھاہا نہیں ہے انگارا
چارہ گر لیجو نہ چٹکی سے اٹھا یاد رہے

~~~~~~~~

یہ کیا شبِ وصال کہ دونوں بہم تو ہیں
پر ہم سے وہ ہیں کھنچے پرے اُن سے ہم پرے

~~~~~~~~

گر فغاں اچھی نہیں تو چپ بھی رہنا ہے بُرا
کچھ تو سینے کا بخار اے دل کبھو نکلا کرے

اے صنم پیدا کرے جو دل میں تیری آرزو
پھر نہ اس کے لب سے حرف آرزو نکلا کرے
حضرت دل ہم تو جب مانیں کرامات آپ کی
کھا کے وحشت روز اس گھر سے عدو نکلا کرے

جفا میں بات وہ کیا حکمت نہیں دیتے
کہ درد جاں ہمیں اب زخم تن نہیں دیتے
سحر ہے روز دکھاتا نئی چمک خورشید
دکھا اُسے مرا داغ کہن نہیں دیتے
بیان شیخ جو ہے وصفِ حور و شعلۂ طور
ذرا دکھا اُسے اپنی پھبن نہیں دیتے

اگرچہ درد محبت اپنا کہا نہ میں نے زباں سے اپنی
وہ میری صورت نہ دیکھ لینگے وہ میری حالت نہ دیکھ لینگے
گزر بھی جاؤں گر اپنے جی سے کہیں گے جیتا ہے جی چرایا
وہ جب تلک اپنے آستانے پہ میری تربت نہ دیکھ لینگے
خط ان کو دے بھی دیا جو قاصد نے ذوق دے کر کسی کا دھوکا
وہ خط نہ پہچان لینگے میرا مری عبارت نہ دیکھ لیں گے؟

بعد رنجش کے گلے ملتے ہوئے رکتا ہے جی
اب مناسب ہے یہی کچھ میں بڑھوں کچھ تو بڑھے

پریرو کیا ستمگر بیشتر ایسے نہ ہوتے تھے؟
ولیکن جیسے تم ہو فتنہ گر ایسے نہ ہوتے تھے
وہ جب واں بے تکلف رات بھر ایسے نہ ہوتے تھے
صبا کے جھونکے یاں وقتِ سحر ایسے نہ ہوتے تھے
کسی کی خندقیں یاد آگئیں ہیں ورنہ مژگاں پر
نمایاں قطرۂ خونِ جگر ایسے نہ ہوتے تھے
جو دیں ہیں گالیاں اس بدزباں کو آج کیا کہیے
کبھی نادم ہم اس کو چھیڑ کر ایسے نہ ہوتے تھے

کیا کہوں کہہ رہے ہیں کیا کیا کچھ
غیر تیری حمایتوں سے مجھے
بات قسمت کی ہے کہ لکھتے ہیں
خط وہ کن کن کنایتوں سے مجھے
واجب القتل اس نے ٹھہرایا
آیتوں سے روایتوں سے مجھے
حال مہر و وفا کہوں تو کہیں
نہیں شوق ان حکایتوں سے مجھے
کمیِ گریہ نے جلا دیا ہے دل
ہوا نقصان کفایتوں سے مجھے
لے گئی عشق کی بدایت ذوق
اس سرے سب نہایتوں سے مجھے

میں وہ مجنوں ہوں کہ مجنوں بھی ہمیشہ خط میں
"قبلہ و کعبہ" لکھا کرتا ہے القاب مجھے
کنجِ تنہائی سے دیتا ہوں دلاسے کیا کیا
دلِ بیتاب کو میں اور دلِ بیتاب مجھے
میں نہ تڑپا جو دمِ ذبح تو یہ باعث تھا
کہ رہا مدّ نظر عشق کا آداب مجھے
ورنہ وہ شوخ کہ جو گل سے بھی نازک ہو سوا
لیوے اس طرح سے زانو کے تلے داب مجھے

خدا نے میرے دیا سینہ لالہ زار مجھے
بتو نہ بن کے نظر آؤ تم بہار مجھے
وہ خط جو لکھتے نہیں جز خطِ غبار مجھے
سمجھتے بارے کہ ہیں اپنا خاکسار مجھے
نہ دیتا عشق اگر چشمِ اشکبار اے ذوق
جلا چکی تھی مری آہ شعلہ بار مجھے

جو کچھ دل پر گزرتی ہے سنائیں گے ہم اس بت کو
خدا جانے کہیں کیا ہم وہ اپنے دل میں کیا سمجھے
مجھے آتا ہے رشک اس رندِ مے آشام پر ساقی
نہ جو "دع ما کدر" جانے نہ جو "خذ ما صفا" سمجھے

سمجھ ہی میں نہیں آتی ہے کوئی بات ذوق اس کی
کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے

~~~~~~~~

صہ وہ کون سا غم ہے کہ جو دُنیا میں نہیں ہے
اور اس پہ بھی یہ دلکش و آباد غضب ہے

~~~~~~~~

استخواں اس سوختہ کی نہ کھانا زینہار
اے ہما! یہ رزق ہے مرغانِ آتش خوار کا

ہم نے جانا تھا کہ قاصد جلد لائے گا خبر
کیا خبر تھی جلکے واں خود بے خبر ہو جائے گا

آدم دوبارہ سوئے بہشت بریں گیا
دیکھو! جہاں خراب ہُوا پھر وہیں گیا
دُنیا گئی کہ عشق میں ایمان و دیں گیا
وہ مل گیا تو جانیے کچھ بھی نہیں گیا
خورشید وار چرخ پہ چمکا کوئی تو کیا
آخر کو پھر جو دیکھا تو زیر زمیں گیا

کیا کیا مزہ نہ تیرے ستم کا اُٹھا لیا
ہم نے بھی لطف زندگی اچھا اُٹھا لیا
سر ہم نے جب سے پائے صنم پہ ہے رکھ دیا
دونوں جہاں سے دست تمنّا اُٹھا لیا

آنا تو خفا آنا، جانا ہے تو رُلا جانا
آنا ہے تو کیا آنا، جانا ہے تو کیا جانا
کیا طبع میں جودت ہے، چٹ دل کو اُڑا جانا
ہونٹوں کا یہاں ہلنا، واں بات کا پا جانا

~~~

بعد فراق کوئی دن، ایسا نہ وصل کا ہوا
وہ کہیں تم کو کیا ہوا، ہم کہیں تم کو کیا ہوا

~~~

آدمی گر ہو مکدّر، کیا قصور ادراک کا
خاک کا پتلا ہے یہ کچھ تو اثر ہو خاک کا

~~~

جو ترے دوست پہ تجھ بن ہے گزرتی ظالم
وہ مصیبت نہ ہو دُنیا میں کسی دشمن پر

~~~

دلِ شوریدہ سر نے خاک اُڑا کر
بیاباں رکھ لیا سر پر اُٹھا کر

~~~

خفا تو ہو نہ وقت ذبح میرے تلملانے پر
کہوں کیا، لوٹتا ہوں میں ترے بازو ہلانے پر

~~~

مجھ میں کیا باقی ہے، جو دیکھے ہے تو آن کے پاس
بدگماں وہم کا دارو نہیں لقمان کے پاس

پھر تو آئے خیر سے ہم جا کے اس مغرور تک
پر اُچھلتا ہی رہا اپنا کلیجہ دُور تک

~~~~~~~~

صفحۂ دہر پہ یک دل نہ ہُوا ایک سے ایک
دل کے دو حرف ہیں سو بھی ہے جُدا ایک سے ایک

~~~~~~~~

جنوں نے کچھ نہ چھوڑا آخر اپنے جیب و داماں میں
نفس اک تار ہے سینے میں سمجھو یا گریباں میں[1]
کہاں ڈھونڈے کوئی دل کو ہجوم داغ سوزاں میں
ملے کھوج ایک پروانے کا کیا گنج چراغاں میں
جو لذّت آشنائے مرگ ہوتا خضر تو وہ بھی
نہ پیتا آب حیواں ڈوب مرتا آب حیواں میں

~~~~~~~~

دیوانے تیرے دشت میں رکھیں گے قدم کیا
مجنوں بھی لے گا آ کے قدم ایسے شخص ہیں

---

[1] میر کا شعر بھی زیر نظر ہے کہ:
اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے
دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں
یعنی ذوقؔ فاصلے کی منزل طے کر کے تار نفس اور تار گریباں کا فرق مٹانا چاہتے ہیں۔
~~~~~~~~

دین کیا ہے بلکہ دیجئے ایماں بھی انھیں
زاہد یہ بُت خدا کی قسم ایسے شخص ہیں!

ذوق ہے ایک رند شاہد باز
اس کو کیا دخل پارسائی میں

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں
واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں
خط دیکھ کر وہ آئے بہت پیچ و تاب میں
کیا جانے لکھ دیا انھیں کیا اضطراب میں

نے رنگ کلک ہوں نہ ترا فندقی پا ہوں
میں کچھ نہیں، لیکن ترے قدموں سے لگا ہوں

خانقاہ میں بھی وہی ہے جو خرابات میں ہے
فرق یہ ہے، یہاں منہ پہ ہے اور واں دل میں ہے

اب کے دل لے لوں تو پھر اس قاتل کو نہ دوں
جان دوں، مال دوں، ایمان دوں، پر دل نہ دوں

اسیر رنج و غم میں ہوں، مریض جاں بلب میں ہوں
اور اس پہ اب تلک جیتا ہوں میں کوئی عجب میں ہوں

جو مانگوں موت درد ہجر سے مجھ کو نہیں زیبا
کہ نام عشق لوں، اور اس قدر راحت طلب میں ہوں

سینہ و دل پہ مرے زخم جگر ہنستے ہیں
ہنسنے دو چارہ گرو، ہنستے ہی گھر بستے ہیں

جس جگہ بیٹھے ہیں با دیدۂ نم اُٹھے ہیں
آج کس شخص کا مُنہ دیکھ کے ہم اُٹھے ہیں؟

رخصت جو ہو کے ہم سے جاتے وہ اپنے گھر ہیں
گھبرا کے پہنچتے واں، ہم ان سے پیشتر ہیں

قصد کعبہ کا تھا پھرے اُلٹے
چوم کر اس کے آستانے کو

دیکھا دم نزع دل آرام کو عید ہوئی ذوق مگر شام کو

نہ شبنم کو کہو بلبل کے آنسو
یہ ہنستے ہنستے نکلے گل کے آنسو

رقعہ ہے چوری کا اور بھیجا ہے انجان کے ہاتھ
یاالٰہی کہیں پڑ جائے نہ دربان کے ہاتھ

سب کو دُنیا کی ہوس خوار لیے پھرتی ہے
کون پھرتا ہے یہ مردار لیے پھرتا ہے

پھرتا سرگشتہ زمانہ میں بھلا کیوں خورشید
ہوسِ گرمیِ بازار لیے پھرتی ہے

وہ مرے اخترِ طالع کی ہے واژوں گردش
کہ فلک کو بھی نگونسار لیے پھرتی ہے

کردیا کیا ترے ابرو نے اشارہ قاتل
کہ قضا ہاتھ میں تلوار لیے پھرتی ہے

جا کے پھرتا نہ تھا اک بار جہاں واں مجھ کو
بے قراری ہے کہ سو بار لیے پھرتی ہے

~~~~~~~~

کون وقت اے وائے گزرا جی کو گھبراتے ہوئے
موت آتی ہے اجل کو یاں تلک آتے ہوئے

~~~~~~~~

فرہاد! ضربِ تیشہ سے ہے سخت ضربِ غم
سچ پوچھیے تو چوٹ ہمیں نے کڑی سہی

~~~~~~~~

لے کے جب زیرِ زمیں ہم دیدۂ تر جائینگے
خشک ہیں جتنے کوئیں پانی سے سب بھر جائینگے

ابرِ رحمت ہے تجھے اس دم لگا دے تو جھڑی
کہتے ہیں جلنے کو وہ دیکھیں تو کیونکر جائینگے
~~~~~~~~

عزیزو ناقۂ لیلیٰ کے دیکھو گے شتر غمزے
اگر مل جائے گی مجنوں کو خدمت ساربانی کی

اُٹھانا عشق کی کیوں لے دل ناداں جوکھوں ہے
ابھی تو مال جوکھوں ہے پر آگے جان جوکھوں ہے

راتوں کو نہ ہو حق کر اے شیخ مناجاتی
سوتے ہوئے چونکیں گے رندانِ خراباتی

بیقراری کا سبب ہر کام کی امید ہے
ناامیدی سے مگر آرام کی امید ہے

اگر اُٹھے تو آزردہ جو بیٹھے تو خفا بیٹھے
لگایا جی کو اپنے روگ جب سے جی لگا بیٹھے

باقی ہے دل میں شیخ کے حسرت گناہ کی
کالا کرے گا منہ بھی جو داڑھی سیاہ کی

جس در پہ یہ غل تھے کہ آتی کان پڑی آواز نہ تھی
عقل سحر اس در پہ تھی حیران کھڑی آواز نہ تھی

ذکر کیوں چاکِ جگر سینے کا سُن سُن اپنے
کر کے مَیں ضبط ہنسی، دیکھوں ہوں ناخن اپنے

اے جواں بخت مبارک تجھے سر پر سہرا
آج ہے یمن و سعادت کا ترے سر سہرا
آج وہ دن ہے کہ لائے در انجم سے فلک
کشتیِ زر میں مہِ نو کی لگا کر سہرا
تابشِ حسن سے مانندِ شعاعِ خورشید
رُخِ پُر نور پہ ہے تیرے منوّر سہرا
وہ کہے صلّ علیٰ یہ کہے سبحان اللہ
دیکھے مکھڑے پہ جو تیرے مہ و اختر سہرا
تا بنے اور بنی میں رہے اخلاص بہم
گوندھیے سورۂ اخلاص کو پڑھ کر سہرا
دھوم ہے گلشنِ آفاق میں اس سہرے کی
گائیں مرغانِ نوا سنج نہ کیونکر سہرا
روئے فرّخ پہ جو ہیں تیرے برستے انوار
تارِ بارش سے بنا ایک سراسر سہرا
ایک کو ایک پہ تزئیں ہے دمِ آرائش
سر پہ دستار ہے دستار کے اُوپر سہرا
اک گہر بھی نہیں صد کانِ گہر میں چھوڑا
تیرا بنوایا ہے لے لے کے جو گوہر سہرا

پھرتی خوشبو سے ہے اترائی ہوئی بادِ بہار
اللہ اللہ رے پھولوں کا معطر سہرا
کثرتِ تارِ نظر سے ہے تماشائیوں کے
دمِ نظارہ ترے روئے نکو پر سہرا
دُرِ خوش آب مضامیں سے بنا کر لایا
واسطے تیرے ترا ذوقِ ثنا گر سہرا
جن کو دعویٰ ہو سخن کا یہ سنا دو اُن کو
دیکھو اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

کہوں کیا ذوق احوالِ شبِ ہجر
کہ تھی اک اک گھڑی سو سو مہینے
نہ تھی شب ڈال رکھا تھا اک اندھیر
مرے بختِ سیہ کی تیرگی نے
تپِ غم شمع ساں ہوتی نہ تھی کم
اور آتے تھے پسینوں پر پسینے
یہی کہتا تھا گھبرا کر فلک سے
کہ او بے مہر بد اختر کمینے
کہاں میں اور کہاں یہ شب مگر تھے
میری جانب سے تیرے دل میں کینے
عوض کس بادہ نوشی کے مجھے آج
پڑے یہ زہر کے سے گھونٹ پینے

مری سینہ زنی کا شور سُن کر
پھٹے جاتے تھے ہمسایوں کے سینے
نہ ٹوٹا جان کی قالب سے رشتہ
بہت سی جان توڑی جانکنی نے
کہا جی نے مجھے یہ ہجر کی رات
یقیں ہے صبح تک دے گی نہ جینے
لگے پانی چوانے منہ میں آنسو
پڑھی یٰسیں سرہانے بیکسی نے
گر دن عمر کے تھوڑے سے باقی
لگا رکھے تھے میری زندگی نے
کہ قسمت سے قریبِ خانہ میرے
اذاں مسجد میں بارے دی کسی نے
ہوئی ایسی خوشی اللہ اکبر
کہ خوش ہوکر کہا خود یہ خوشی نے
مؤذّن مرحبا بر وقت بولا
تری آواز مکّے اور مدینے

کیا فائدہ فکرِ بیش و کم سے ہوگا
ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ ہُوا ، ہُوا کرم سے تیرے
جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

جب تک تھے گرہ میں احمقوں کے پیسے
سب کہتے تھے اُن کو آپ ایسے ایسے
مفلس جو ہوئے تو پھر کسی نے اے ذوق
پوچھا نہ کہ تھے وہ کون، ایسے تیسے

اے ذوق فرشتے ہیں یہ کہہ کر روتے
اے کاش کہ انسان ہی ہم بھی ہوتے
غفلت میں یہ رہتا ہے یہاں تک ہشیار
شیطان کے چلا دیتا ہے سوتے سوتے

دُنیا کے الم ذوق اُٹھا جائیں گے
ہم کیا کہیں کیا آئے تھے کیا جائیں گے
جب آئے تھے روتے ہوئے آپ آئے تھے
اب جائیں گے اوروں کو رُلا جائیں گے

۲۲ اکتوبر ۱۹۵۵ء

۱ - دیوان ذوق مرتبہ کے ایم سردار ایم اے - آتمارام لاہور ۱۹۳۲ء

۲ - دیوان ذوق

۳ - نگارستان سخن ” ظہیر دہلوی مطبع احمدی دہلی ۱۸۶۲ء

۴ - آبِ حیات آزاد طبع دوازدہم

۵ - گل رعنا عبدالحی معارف اعظم گڑھ ۱۳۴۳ء

۶ - تاریخ ادب اُردو محمد عسکری نولکشور پریس ۱۹۵۲ء

۷ - آب حیات کا تنقیدی مطالعہ مسعود حسن ادیب کریمی پریس الہ آباد ۱۹۵۴ء

۸ - گلدستۂ نازنیناں کریم الدین طبع ۱۸۴۵ء